# اَدَبیّات

## مومنہ

از

(جناب خاورؔ جبل پوری)

" زیرِ نظر نظم مثنوی مولانا رومؔ کی ایک حکایت مومنہ کا ترجمہ ہے جس کو مسلم خواتین میں مذہبی روح بیدار کرنے کے لئے فارسی سے اُردو میں منتقل کیا گیا ہے۔" (بُرہان)

یہودی قوم، جب رسمِ وفا کو بھول بیٹھی تھی
خودی کے زعمِ باطل میں خدا کو بھول بیٹھی تھی

جہالت کا اندھیرا چھا رہا تھا اُس کی ہستی پر
اُتارا تھا بلندی سے خودی نے اُس کو پستی پر

پڑا تھا گردنوں میں رشتۂ ابلیس کا پھندہ
یہ جرأت ہوگئی پیدا کہ بن بیٹھا خدا، بندہ

دماغوں میں بزعمِ خویش بو تھی خودنمائی کی
بجائے بندگی کرنے کے بندوں نے خدائی کی

بقولِ شاہنامہ[۱] ہر بشر مردود بن بیٹھا
کوئی فرعون بن بیٹھا کوئی نمرود بن بیٹھا

فلسطیں میں جو بیٹھا اک یہودی تختِ شاہی پر
ہوئی ظلمت مسلط اور قسمت کی سیاہی پر

دھواں چھایا کچھ ایسا ہر طرف قسمت کے تاری کا
کیا مردود نے اعلان اپنی نابکاری کا

کہا کمتر ہیں سب انسان ان سب سے بڑا میں ہوں
اگر ہوں تو حقیقت میں خدائی کا خدا میں ہوں

سرِ رہ اُس نے پھر بنوا کے پتلہ اپنی صورت کا
رکھا اور کہہ دیا ہے فرض سجدہ میری مورت کا

کیا پھر قربِ بت آتش کدہ قائم ستمگر نے
دلوں کو جنبشِ پیہم میں ڈالا جس کے منظر نے

کوئی رہ گیر جب اُس راہ سے ہوکر گذرتا تھا
ادب سے پہلے جھکتا اور بُت کو سجدہ کرتا تھا

غضب تھا سجدہ کرنے سے ذرا انکار کرجانا
کہ تھی پاداش اُس کی نذرِ آتش ہو کے مرجانا

خس و خاشاک کی صورت جب انساں اس میں جلتے تھے
ملایک دیکھ کر اُن کو کفِ افسوس ملتے تھے

حقیقت میں وہ شاہِ مملکت تھا نفس کا بندہ
جگر ٹھر کھا تھا شیطانِ لعیں نے ڈال کر پھندہ

وہ اپنے نفس کے بُت کو سزا دینے میں کاہل تھا
ہزاروں بُت بنانے پر بہت نفس اُس کا مائل تھا

جو دیکھا جائے چشمِ غور سے تو دل ہوسی پارہ
کہ ہے مادر بتوں کی فی الحقیقت نفسِ امّارہ

اِسی ٹکسال میں سکّے بدی کے ڈھلتے رہتے ہیں
اسی آغوش میں دُنیا کے سب بُت پلتے رہتے ہیں

کیا ہے پیش اس ادراک کی تصریح میں اپنی
جنابِ ذوقؔ کا یہ شعر ہے تبیح میں اپنی

بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا

---

[۱] شاہنامہ اسلام اُردو

کہیں سے اُن دنوں اک مومنہ آئی تھی بےچاری
ستائی چرخ کی تھی گردشِ تقدیر کی ماری

لیے آئی تھی اک معصوم بچہ گود میں اپنی
امیدوں کی تمناؤں کی دُنیا گود میں اپنی

بجبر ومکر لے گیا خود شاہ اس کو آگے اُس بت کے
کہا کر اس کو ایمان و عقیدت کے مگر سجدے

کہ یہ بُت میری صورت میری مورت میرا نقشہ ہے
میں وہ ذی جاہ ہوں رتبہ جسے حاصل خدا کا ہے

کہا اُس نے کہ میں رحمٰن پر ایمان رکھتی ہوں
اُسی کو سر جھکاتی ہوں اُسی کا دھیان رکھتی ہوں

یہی کہتے ہوئے آئے ہیں میری قوم کے عالم
خدا کے ماسوا سجدہ کسی کو بھی نہیں لازم

یہ سُن کر آتشِ قہر و غضب سے شاہ جل اُٹھا
فسوں سازوں کے چشمہ کی طرح فوراً اُبل اُٹھا

کہا ناداں خدا تو کس کو کہتی ہے خدا میں ہوں
سبھی محتاج ہیں میرے بس اک حاجت روا میں ہوں

سبھی کو رزق دیتا ہوں سبھی کو پالتا ہوں میں
مصیبت ڈال دیتا ہوں مصیبت ٹالتا ہوں میں

حیات و مرگِ انساں ہے فقط میرے اشارے پر
ڈبا بھی دوں جسے چاہوں لگا بھی دوں کنارے پر

فقیری سے امیری مل رہی ہے لے اگر چاہے
ابھی میں بخش دوں تو جس قدر بھی مال و زر چاہے

حریم خاص میں ساتھ اپنے لے کے تجھ کو جاؤں گا
حرم میں اپنے رکھ کے مرتبہ تیرا بڑھاؤں گا

اگر کرنے سے سجدہ تو میری مورت کے منکر ہے
سمجھ لے پھر کہ یہ آتش کدہ روشن ترا گھر ہے

اگر تو سجدہ کرنے سے ذرا بھی ہچکچائے گی
تو بے شبہ و بے شک آتش کدے میں ڈالی جائے گی

مٹا کر تجھ کو ہستی سے یہ جھگڑا پاک کردوں گا
جلا کر جسمِ نازک کو اسی دم خاک کردوں گا

---

یہ سُن کر قوتِ ایمان اُس کی جوش میں آئی
نکل کر خوف کی دُنیا سے مُلکِ ہوش میں آئی

ہٹے خاطر سے اس آتش کدہ کی آگ کے شعلے
لگی لو شمعِ ایماں کی نہ بجھے پر آگ کے شعلے

سراپا غیرتِ اسلام سے وہ تھر تھرا اُٹھی
بدن کے رونگٹوں سے اک انا الحق کی صدا اُٹھی

بپھر کر شیرنی جس شکل سے جنگل کی آتی ہے
کہ ناگن زخم خوردہ جس ادا سے پھنپھناتی ہے

گرج کر شیر کی مانند یوں اُس شاہ سے بولی
لبِ معجز نما کے ساتھ چشمِ خوں چکاں کھولی

بس ان بےہودہ لفظوں کی ذرا کر روک تھام اپنے
ارے کم بخت کیا بکتا ہے دے منہ میں لگام اپنے

خدا وہ ہے کہ جس نے کُن سے پیدا کر دیئے عالم
فقط ادنیٰ اشارے سے ہویدا کر دیئے عالم

خدا وہ ہے کہ جس نے ماہ و خور انجم بنائے ہیں
خدا وہ ہے کہ جس نے باغ میں غنچے کھلائے ہیں

عطا سرسبزیاں کیں گلشنِ ہستی کے جھاڑوں کو
زمیں پر کر دیئے قائم ستون اونچے پہاڑوں کو

اُسی نے حُسنِ صنعت کے ہمیشہ گل کھلائے ہیں
اُسی نے جا بجا نالے، ندی، دریا بہائے ہیں

اُسی کو کائناتِ ہر دو عالم پر بڑائی ہے
گلستانِ خدائی میں خدا ہی کی خدائی ہے

ہوائیں جس قدر بھی ہیں زمینوں آسمانوں میں
خدا کی حمد کے نغمے سُناتی ہیں ترانوں میں

خدا والے خدا ہی کے ہمیشہ گیت گاتے ہیں
اُسی کے نام کو رٹتے اُسی کو گنگناتے ہیں

اسی کو سجدہ کرتے ہیں اسی کو سر جھکاتے ہیں
تمنا میں اسی کی زندگی کے دن گنواتے ہیں

وہی ہے ذاتِ واحد جو پرستاری کے قابل ہے
خدا کے ماسوا جو کچھ ہے دنیا میں وہ باطل ہے

اگر قرآن میں دیکھے کوئی اخلاص کی سورت
نظر آئیں یہ بُت، پارۂ سنگین کی مورت

خدا کے ماننے والے کبھی ان سے نہیں ڈرتے
یہ بُت پتھر کے یا ڈھالے ہوئے لوہے کے ہیں ٹکڑے

تجھے جاہل سمجھتی ہوں انھیں باطل سمجھتی ہوں
میں ان سارے بتوں کو جنسِ لاحاصل سمجھتی ہوں

اگر سارے جہاں کا مال و دولت مجھ کو مل جائے
نہیں ممکن قدم کچھ جادۂ ایماں سے ہل جائے

تو پانی میں ڈبو دے یا مجھے اس آگ میں ڈالے
خدا کی راہ میں حاضر ہوں چاہے سر اتروا لے

یہ آتش کیا تری کہ دار سے ڈرتی نہیں ہوں میں
سناں سے تیر سے تلوار سے ڈرتی نہیں ہوں میں

سمجھتی ہوں مبارک روح کا تن سے جدا ہونا
حقیقی زندگی کی راہ ہے گویا فنا ہونا

جو اتنا بھی نہیں سمجھے وہ جاہل ہے وہ ناداں ہے
"وفاداری بشرطِ استواری جزوِ ایماں ہے"[۱]

محبانِ خدا کب موت کو مشکل سمجھتے ہیں
خیالِ مرگ کو روحِ روانِ دل سمجھتے ہیں

ذرا سی زندگی میں زندہ رہنے کی خوشی کیا ہے
خدا کی راہ میں مرنے سے بہتر زندگی کیا ہے

غلام آقا سے پھر جائے کہیں ایسا بھی ہوتا ہے
جو محرم اپنا ہو اُس سے کہیں پردا بھی ہوتا ہے

---

بُرائی سن کے اپنی اور اپنے ہم نواؤں کی
ستمگر نے یہ سوچا انتہا کر دوں جفاؤں کی

یہ عورت سخت دل، اس طرح سے کب باز آئے گی
پڑے گا دل پہ جب صدمہ تو فوراً مان جائے گی

کروں ترکیب اک ایسی کہ یہ ضد چھوڑ دے اپنی
وہ ڈوری جو بندھی ہے حق سے باہم توڑ دے اپنی

ہر اک ماں اپنے بچے پر ہمیشہ جان کھوتی ہے
عزیز ہر شے سے بچوں کی محبت ماں کو ہوتی ہے

کہا بس چھین لو بچے کو اس کی گود سے پہلے
پھر اس کو آگ میں ڈالو کہ اس عورت کا دل دہلے

ہوئی تعمیل فوراً ہی تو اس ظالم کے فرماں کی
زباں اظہار سے قاصر ہے جو حالت ہوئی ماں کی

بچاؤ کی کوئی تدبیر جب اس نے نہیں دیکھی
تو بچے کی محبت میں وہ ماہی کی طرح تڑپی

سوا تھی جان سے اس کو محبت اپنے بچے کی
منقش دل پہ تھی معصوم صورت اپنے بچے کی

نہ سمجھی ظالم و بیداد گر ایسے بھی ہوتے ہیں
بجز شر کچھ نہیں کرتے بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

ہوئی بے تاب چین آیا نہ پھر اس کو کسی پہلو
کلیجہ پھٹ گیا، آنکھوں سے نکلے خون کے آنسو

ادھر جلاد نے بچے کو لے کر آگ میں ڈالا
اُدھر اس کے کلیجے پر قیامت کا لگا بھالا

لپٹ میں آگ کی معصوم صورت جب نظر آئی
تو پھر دہشت سے اس کا جسم کانپا روح تھرائی

نظر کے سامنے جلتا ہوا بچے کو جب دیکھا
ہوا دل پارہ پارہ اور جگر ٹکڑے ہوا اس کا

ہوا ہی چاہتی تھی پائے استقلال کو جنبش
کہ دی معصوم بچے نے زبانِ حال کو جنبش

کہا اے ماں حواس اپنے سنبھالو ہوش میں آؤ
کہیں ایسا نہ ہو راہِ ادب سے تم بھٹک جاؤ

---

۱ غالب

یہ دھوکا ہے نظر کا ظاہری اسباب مت دیکھو
ذرا چشمِ حقیقت سے خدا کی مصلحت دیکھو

سوئے آتشکدہ جب مومنہ نے غور سے دیکھا
خدا کی پاک قدرت کا نظر آیا اسے نقشہ

جب اُس عورت نے ایوانِ وفا کا باب ٹوٹا پایا
تو وہ بھی کہ بےداری میں ثمرہ خواب کا پایا

شگفتہ گل کی صورت میں ہر اک اخگر نظر آیا
خلیل اللہ کے گلزار کا منظر نظر آیا

وہی آتشکدہ ہے صحن گویا باغ جنت کا
وہاں آرام سے بیٹھا ہوا ہے گود کا بچہ

خوش و خرم ہے، شاداں ہے، خوشی سے مسکراتا ہے
ملایک پاس ہیں حمد و ثنا کے گیت گاتا ہے

اشارہ کر رہا ہے زود تر آؤ یہاں تم بھی
میسر وصل ہو جائے جہاں میں ہوں وہاں تم بھی

اُٹھو جلدی سے رشتے توڑ دو دُنیائے فانی کے
یہاں آکر مزے لوٹو حیاتِ جاودانی کے

خوشی سے مسکرائی وہ نویدِ جانفزا سن کر
تنِ بےجاں میں آئی جان بچے کی صدا سن کر

محبت کی تڑپ جذباتِ عفت کوش سے اٹھی
ندا قربان ہونے کی دلِ پرجوش سے اٹھی

فرشتے بہرِ استقبال اترے آسمانوں سے
ثنا الہامِ باری مومنہ نے اپنے کانوں سے

ندا آئی کہ جس کا دل ہم اپنا گھر بناتے ہیں
کسی کو زہر ملتا ہے کسی کا سر کٹاتے ہیں

ہر اک فردِ بشر کو اہل کب اس کا سمجھتے ہیں
اُسی کو آزماتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

ہمارے واسطے جو مست دیوانے مچلتے ہیں
ہم ان کے ساتھ یہ شطرنج کی سی چال چلتے ہیں

کبھی شاہِ زماں پیدل کے ہاتھوں مات کھاتا ہے
کبھی بُرد اور چومہری کا نقشہ پیش آتا ہے

اگر دعویٰ محبت کا ہمارے کوئی کرتا ہے
کسی کی کھال کھنچتی ہے کسی کا سر اترتا ہے

کوئی سولی پہ چڑھتا ہے کوئی آرے سے چرتا ہے
پھر ا بندہ ہمارا راہ سے کوئی نہ پھرتا ہے

جسے ہم دوست رکھتے ہیں جسے ہم پیار کرتے ہیں
اسے میدانِ مقتل میں یہ تلوار کرتے ہیں

متاعِ سرفروشی جذبۂ کامل سے ملتی ہے
یہ دولت ہے شہادت کی بڑی مشکل سے ملتی ہے

---

الم بدلا مسرت سے نویدِ خوشی اثر پا کر
ہوئے مسرور جان و دل شہادت کی خبر پا کر

ذرا بھی جل کے مرنے سے جھجک اُس کو نہیں آئی
تڑپ کر برق کی مانند آتش کے قریں آئی

قدم لینے بڑھیں حوریں ملایک آئے پر تولے
لپک کر بہرِ استقبال آئے آگ کے شعلے

نظر سے آپ اپنی اس نے یہ توقیر جب دیکھی
خدا کا نام لے کر دھم سے جلتی آگ میں کودی

دہکتی آگ میں زندہ جو پایا اپنے بچے کو
بلائیں لیں کلیجے سے لگایا اپنے بچے کو

اُٹھا کر گود میں بچہ زبانِ فیض اثر کھولی
مخاطب کر کے پھر اس قوم کو اپنی طرف بولی

خدا کی شان دیکھی تم نے اصحابِ ستم رانی
دہکتی آگ کیسی میرے حق میں ہو گئی پانی

خدا کی شانِ رحمت دیکھنے والو ادھر آؤ
وہاں سے کم نصیبو دیکھتے کیا ہو ادھر آؤ

بہارِ خلد ہے میری نظر میں روح شاداں ہے
بجائے آگ یہ آتشکدہ گلزارِ رضواں ہے

ملے گی سستے داموں میں ابھی جنسِ گراں لے لو
یہ فانی زندگی دے کر حیاتِ جاوداں لے لو

حقیقی موت ہی گویا حیاتِ جاودانی ہے
فنا کا دور دورہ اس میں ہے دنیا یہ فانی ہے

سنے لوگوں نے جب نغمے حیاتِ جاودانی کے
تو دستِ شوق سے ٹکڑے کیے دامانِ فانی کے

نوائے جانفزا سنتے ہی سارے آشنا دوڑے
چلے جلنے کو آتش میں سوئے آتش کدہ دوڑے

ہتھیلی پر لئے سر شوق میں دیوانے آ پہنچے
نثارِ شمع ہونے کے لئے پروانے آ پہنچے

یہودی شاہ نے آتش کی دیکھی جب یہ گل کاری
تو بارِ کارِ ذلت سے زمیں میں گڑ گیا ناری

بڑھا تھا شوق حد سے بھی زیادہ جاں نثاروں کا
خوشی میں نذرِ آتش ہو گیا جھرمٹ ہزاروں کا

بہت کچھ روکنے پر بھی قدم آگے بڑھاتے تھے
نہایت شوق سے آتش کدے میں کود جاتے تھے

ہزاروں منتیں کر کے بہت لوگوں نے سمجھایا
وفورِ شوق کے آگے مگر کچھ بھی نہ کام آیا

جو تھے اللہ کے بندے جو تھے اللہ کے پیارے
وہ ہو کر نذرِ آتش حاصلِ حق ہو گئے سارے

حقیقت میں ضرر کچھ بھی نہ اس آتش سے پہنچا تھا
یہ جو کچھ ہو رہا تھا ظاہری نظروں کا دھوکا تھا

یہ انساں جلنے والے آگ میں ظاہر تو جلتے تھے
حقیقت میں مگر وہ دامنِ رحمت میں پلتے تھے

خدا نے نار میں بھی نور کا جلوہ دکھایا تھا
خلیلِ پاک کے گلزار کا نقشہ جمایا تھا

لعینوں نے جب اُن کے نورِ ایماں کی جھلک دیکھی
تو اپنی سمت بھی آتش کے شعلوں کی لپک دیکھی

خطابِ آتش سے کر کے یوں وہ شیطانِ لعیں بولا
جلاتی کیوں نہیں تو ان کو یہ تجھ کو ہوا ہے کیا

کہاں جاتی رہی اب وہ تری فطرت جلانے کی
ہوئی کیا سلب تیرے جسم سے قوت جلانے کی

بلا کی مہربانی کر رہی ہے دشمنوں پر تو
لپکتی تھی خوشی کے ساتھ اپنے دوستوں پر تو

غضب ڈھاتی نہیں ہے آج کیوں ایمان والوں پر
چڑھی ہے کفر کی چربی بہت کچھ تیرے گالوں پر

ترے پیرو ہیں ناری اور ترے در کے بھکاری ہیں
ہماری لاج اب رکھ لے کہ ہم تیرے پجاری ہیں

ہماری مانتا ہے تو ہماری مانتا ہے تو
ہماری روح کی تسکین دلوں کی مانتا ہے تو

---

یہودی بادشاہ کی ختم سب تقریر جب ہو لی
بھڑک کر پھر تڑپ کے غیظ و غضب سے آگ یوں بولی

ارے ناداں مجھے قاصر مجھے غافل سمجھتا ہے
بجانے ماسوا اس کے تو اے جاہل سمجھتا ہے

رہے گی تا ابد میری وہی طاقت جو پہلے تھی
تپش بھی ہے وہی میری وہی سوزش وہی گرمی

گھڑی بھر میں مٹا دوں گی ابھی وہم و گماں تیرا
اگر شک ہے تو آ، اس وقت کر لے امتحاں میرا

مزا تیری خدائی کا تجھے کیسا چکھاتی ہوں
اگر نزدیک تو آتا نہیں تو لے میں آتی ہوں

جہالت کا پڑا ہے فہم و دانش پر ترے پردا
ارے کم بخت اتنا بھی کبھی تو نے نہیں سوچا

سگِ دنیا جو غیروں کے لئے خونخوار ہوتے ہیں
وہ گھر کے مہمانوں کے تو چوکیدار ہوتے ہیں

خدا ہے میزباں مہماں کی کیا محرم نہیں ہوں میں
کچھ ان کتوں سے تسلیم و رضا میں کم نہیں ہوں میں

نہیں چلتی کسی کی بھی خدا کے حکم کے آگے — جلائے وہ جسے چاہے بچائے وہ جسے چاہے
خدا کے حکم کی تعمیل کرنا فرض ہے میرا — کہ بے احکامِ ربی ایک پتا بھی نہیں ہلتا
جلاتی ہوں کسی کو میں نہ جلنے سے بچاتی ہوں — وہی تعمیل کر دیتی ہوں جس کا حکم پاتی ہوں
مرا جلنا مرا بجھنا ہے سب اُس کے اشارے پر — نظامِ کائناتِ دہر ہے جس کے سہارے پر
جلا دینے کی قوت کو نہ کیوں کر میں بجھا دیتی — خُدا کے حکم کے آگے انھیں کیسے جلا دیتی
تجھے "یَا نَارُ کُونِی" کا نہیں احساس کیا اب تک — جو پہلے تھا وہی جاری ہے فرمانِ خدا اب تک
مرے کانوں میں "ظالم" گونجتی ہے وہ ہوا اب تک — نہیں بھولی ہوں میں "بَرْدًا وَّسَلٰمًا" کی صدا اب تک
نہیں کچھ دیر لگتی فضل کرتے پاک یزداں کو — "اُٹھاتا ہے جو طوفاں روک بھی سکتا ہے طوفاں کو"[1]
عصائے موسوی اعجاز جب اپنا دکھاتا ہے — تو پانی قلزم کے بارہ در سے رستے پہ لگاتا ہے

---

نہ دیکھا جب اثر ہوتا ہوا شعلہ بیانی کا — ارادہ کر لیا آتش نے بھی آتش فشانی کا
کھڑا تھا ہر طرف انبوہ شیطانِ لعیں گھیرے — اشاروں پر اشارے تھے کبھی میرے کبھی تیرے
کہا ہشیار ہو جاؤ اثر اپنا بتاتی ہوں — بجوابِ آتشِ قہر و غضب سے میں جلاتی ہوں
اگر وہ عقل و دانش سے ذرا بھی کام لے لیتے — تو ایسے وقتِ نازک میں خدا کا نام لے لیتے
دمِ آخر جو فرعونِ لعیں نے یادِ خالق کی — خدائے ذوالکرم نے جسم کو اُس کے اماں بخشی
مگر شیطان کا ابرِ تسلط اُن پہ چھایا تھا — خودی کو میٹنے ان کی خدا کا قہر آیا تھا
کہیں ٹل جائیں اتنی بھی نہ دی مہلت کمینوں کو — بھڑک کر آگ نے کوسوں جلا ڈالا لعینوں کو
جدھر جاتے تھے وہ اور جس طرف کو رُخ بدلتے تھے — خودی کی آگ روشن تھی تو اپنے آپ جلتے تھے
نہیں چلتی ہے گمراہوں کی خضرِ راہ کے آگے — سدا، لازم ہے بندے کو جھکے اللہ کے آگے

فنا کے رنگ میں خاور نما انجام باقی ہے
خدا کا نام باقی ہے خدا کا نام باقی ہے

---

[1] مولانا سیماب